قیام للغیر کا جواز و عدمِ جواز

(ملک غلام علی صاحب)

ایک صاحب لکھتے ہیں:۔

اُستاد کے لیے مدارس میں تعظیماً کھڑے ہونے کے سلسلہ میں یہاں اختلاف پیدا ہوگیا ہے مشکوٰۃ میں بروایت حضرت ابوسعید خدریؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تعظیم کے لیے کھڑا ہونے کا حکم دیا ہے اور حضرت فاطمہؓ کے لیے بھی آنحضورؐ کا کھڑا ہونا ثابت ہے۔ دوسری طرف ترمذیؒ کی صحیح حدیث میں صحابہ کرامؓ کا آپؐ کے لیے کھڑا نہ ہونا، حضرت معاویہؓ کی روایت میں قیام پر جہنم کی وعید ہونا اور حضرت ابو اُمامہ والی روایت میں اسے عجمی طریقہ قرار دے کر منع کرنا ثابت ہے۔ بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ حضرت سعدؓ کے لئے آنحضورؐ نے قُوْمُوْا لِسَیِّدِکُمْ نہیں فرمایا تھا، بلکہ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ فرمایا تھا۔ حضرت سعدؓ خود سواری سے اُترنے میں معذور تھے، اس لیے ان کی مدد کے لیے کھڑا ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس معاملے میں صحیح رہنمائی اور تطبیق کی ضرورت ہے۔ یہ مسئلہ مدارس تک محدود نہیں، بلکہ زندگی کے اکثر مواقع پر اس سے سابقہ پیش آتا رہتا ہے۔ اس لیے اس معاملے کی شرعی حیثیت اور اسلامی احکام کا صحیح منشاء متعین ہو جائے تو بار بار اُلجھن اور بحث کی صورت پیدا نہ ہوگی۔

یہ ان بہت سے سوالات میں سے ایک ہے جو اس مسئلے کے متعلق ہمارے ہاں وقتاً فوقتاً آتے رہتے ہیں۔ اس لیے یہاں اُسے درج کر کے تفصیل کے ساتھ اس کا تحقیقی جواب دیا جا رہا ہے۔

ائمہ سلف میں قیام کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ بعض جواز کے قائل ہیں، بعض مطلقاً عدمِ جواز کے قائل ہیں اور بعض کے نزدیک قیام کی کچھ خاص صورتیں ایسی ہیں جو جائز و مباح ہیں اور بعض دوسری ایسی ہیں

جو ممنوع ہیں۔ ہر مسلک کے حق میں دلائل موجود ہیں اور جب تک انہیں اختصار کے ساتھ بیان نہ کر دیا جائے ان کے مابین موازنہ نہیں ہو سکتا۔

جواز کے قائلین متعدد احادیث و آثار پیش کرتے ہیں جن سے قیام کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک تو صحیحین وسنن کی وہی حدیث ہے جس کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے۔ اس میں آیا ہے کہ بنو قریظہ کے یہود جب مغلوب ہو جاتے کے بعد حضرت سعدؓ بن معاذ کو اپنے معاملے میں حکم بنایا تھا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلوا بھیجا۔ جب حضرت سعدؓ سوار ہو کر سامنے سے نمودار ہوئے تو آنحضورؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا قُومُوا اِلٰی سَیِّدِکُم (اٹھو اپنے سردار کی جانب)۔ ابوداؤد اور بعض دوسری کتب حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضورؐ نے اپنے رضاعی والدین کے لیے چادر بچھائی اور اپنے رضاعی بھائی کے لیے آپ کھڑے ہو گئے، پھر پاس بٹھایا۔ اسی طرح سنن ابی داؤد، ترمذی، ابن حبان وغیرہ میں متعدد روایات موجود ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کے ہاں تشریف لے جاتے تھے تو آپ کھڑی ہو کر آپ کا دستِ مبارک لے کر چوم لیتی تھیں اور پھر آپ کو اپنی نشست پر بٹھا لیتی تھیں۔ اسی طرح جب وہ آنحضورؐ کے پاس جاتی تھیں تو آپ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی حدیث میں آیا ہے کہ فتح مکہ کے بعد وہ ایسے بددل ہوئے کہ ترکِ وطن کے ارادے سے ساحل سمندر پر پہنچے اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ کشتی بھنور میں پھنس گئی تو اہلِ کشتی میں سے کسی نے بتوں کو مدد کے لیے پکارا۔ مگر دوسروں نے کہا کہ اس نازک گھڑی میں بت کام نہیں آسکتے فقط اللہ وحدہٗ کو پکارو۔ بس یہی بات عکرمہ کے دل میں بیٹھ گئی اور آپ نے سوچا کہ پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا دین سچا ہے اور آپ دوسری کشتی میں واپس ہو کر آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آنحضورؐ ان کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت عدی بن حاتم کے لیے بھی اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام حدیث میں مذکور ہے۔ یہاں ان تمام احادیث کا استقصاء مقصود نہیں ہے، جن سے جوازِ قیام ثابت ہوتا ہے۔ ورنہ بعض دیگر روایات و آثار بھی اس ضمن میں موجود ہیں۔ مثلاً بیہقی میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ملتی ہے کہ آنحضورؐ مسجد سے تشریف لے جاتے تو صحابہ کرام کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ اسی طرح جب حضرت کعب ابن

مالک اور ان کے دو ساتھی جو تساہل کی بنا پر جنگ تبوک سے رہ گئے تھے، ان کی توبہ جب اللہ نے قبول فرمائی اور حضرت کعب خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو ایک صحابی ان کے استقبال اور خوش آمدید کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت کعب کے نزدیک ان صحابی کا قیام ایسا احسان تھا جو ان کے لیے ہمیشہ ناقابل فراموش اور واجب الامتنان رہا۔ بہرکیف اس امر سے انکار ممکن نہیں ہے کہ متعدد احادیث جواز قیام پر دلالت کرتی ہیں۔

جن حضرات کے نزدیک قیام ممنوع یا مکروہ ہے، وہ بھی اپنے حق میں بعض دوسری احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ سنن ابن ماجہ و ابی داؤد میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصائے مبارک کا سہارا لیے ہوئے گھر سے باہر تشریف لائے اور صحابہ کرام آپ کے لیے کھڑے ہوگئے۔ تو آپ نے فرمایا: "اس طرح مت کھڑے ہوا کرو جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔" سنن ترمذی، ابی داؤد وغیرہ میں حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من احب ان یتمثل لہ الرجال وجبت لہ النار (جس شخص کو یہ پسند ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوا کریں۔ اس کے لیے دوزخ واجب ہوگئی۔) حضرت انسؓ سے ایک روایت ترمذی میں مروی ہے کہ "صحابہ کرام کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخصیت محبوب نہ تھی، لیکن وہ آنحضورؐ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ آپ اسے ناپسند فرماتے ہیں۔" حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر اور ابن صفوان کے سامنے برآمد ہوئے تو یہ دونوں اصحاب یا ان میں سے ایک کھڑے ہوگئے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا: "تشریف رکھیے، میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: من سرہ ان یتمثل لہ الرجال قیاماً فلیتبوا مقعدہٗ من النار (جس شخص کو اس بات سے خوشی ہوتی ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں وہ آگ میں اپنا ٹھکانا بنالے) صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ فارس و روم کے اس طریقہ سے منع فرمایا کہ وہ اپنے بادشاہوں کے آگے کھڑے ہوتے ہیں۔

جن حضرات کے نزدیک قیام ممنوع ہے وہ احادیث مذکورہ کو اپنی تائید میں پیش کرنے کے علاوہ جواز قیام پر دلالت کرنے والی احادیث کی بھی ایسی تاویل و تفصیل بیان کرتے ہیں جن سے جواز مشتبہ ہو جاتا

ہے۔ مثال کے طور پر حضرت سعد بن معاذ والی حدیث کے متعلق وہ یہ کہتے ہیں کہ جنگ خندق میں زخمی ہونے کی وجہ سے حضرت سعد کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ امداد کے بغیر سواری سے خود بخود اتر سکتے۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ وہ اُٹھ کر انہیں اتاریں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضورؐ نے قُوموا السّید کم نہیں فرمایا بلکہ قوموا الیٰ سیّدکم فرمایا جس کا مطلب یہ نہ تھا کہ ان کی تعظیم یا استقبال کے لیے اٹھو، بلکہ مراد یہ تھی کہ اترنے میں ان کی مدد کرو اسی طرح بعض حضرات نے محبت اور تعظیم یا اکرام اور اعظام میں باریک فرق پیدا کر کے ایک کے لیے قیام کو مباح اور دوسرے کے لیے ممنوع قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ مجلس میں جگہ خالی کرنے اور توسیع پیدا کرنے کے لیے کھڑے ہونا جائز ہے یا جو شخص سفر کر کے آیا ہو اس کے لیے قیام درست ہے، ورنہ مکروہ ہے۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ اگر خدمت یا تالیف قلب کے لیے قیام ناگزیر ہو تو جائز اور مباح ہے ورنہ نہیں۔

جواز و عدم جواز دونوں کے حق میں دلائل کا خلاصہ کم و بیش یہی ہے جو اوپر بیان کر دیا گیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حقیقت نفس الامر کیا ہے؟ شارع علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ارشادات اور اسوۂ حسنہ کا اصل مقتضیٰ کیا ہے؟ کیا آپ نے ایک شخص کے لیے دوسرے کے قیام کو مباح یا مندوب قرار دیا ہے یا ممنوع ٹھہرایا ہے یا حاشا و کلّا آپ کے اقوال و افعال میں تعارض کا کوئی ایسا پہلو ہے جسے رفع کرنا ممکن نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت اس مسئلے میں وارد شدہ احادیث و آثار میں کوئی تخالف و تعارض نہیں ہے۔ سب کا اپنا اپنا ایک موقع اور محل ہے جس پر الگ الگ حکم کا انطباق ہوتا ہے۔ قیام کو علی الاطلاق مشروع یا ممنوع قرار دینے میں افراط و تفریط کا شائبہ پایا جاتا ہے اور شریعت کا اقتضاء ان کے بین بین ہے۔ جملہ احادیث کا اگر غور و تامّل کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کے لیے لوگوں کا قیام اقتدار پرستی کا مظہر ہو اور وہ شخص خود بھی اس بات کا خواہاں ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں تو ایسی صورت میں یہ فعل ممنوع اور مبغوض ہے۔ اسی طرح اگر یہ فعل ایک جانب سے تملق و تذلل اور دوسری جانب سے استعلاء و استکبار کے جذبے پر مبنی ہو، تب بھی یہ جانبین کے حق میں مکروہ و مذموم ہوگا۔ لیکن ان کے ماسوا دوسری جتنی صورتیں بھی قیام کی ہوں گی، ان کے ممنوع ہونے کے حق میں کوئی مضبوط استدلال نہیں کیا جا سکتا اور وہ ساری حدِ جواز میں آسکتی ہیں۔ بلکہ اگر وہ شخص جس کے لیے قیام کیا جائے، اسلام کے معیار اور نقطۂ نظر سے اس کا مستحق اور سزاوار ہو تو بعض مواقع پر یہ قیام پسندیدہ اور مطلوب

ہوگا۔ یہ ایک معتدل اور قابلِ ترجیح مسلک ہے جسے متعدد ائمہ و فقہاء نے اختیار کیا ہے۔ امام خطابی ابوداؤد کی شرح معالم السنن میں فرماتے ہیں:

قیام المرؤس للرئیس الفاضل وللوالی العادل وقیام المتعلم للعالم مستحب غیر مکروہ۔ انما جاءت الکراھۃ فیمن کان بخلاف ھذہ الصفات یہ ماتحت کا صاحبِ فضیلت سردار اور عادل والی کے لیے قیام اور متعلّم کا عالم کے لیے قیام مستحب ہے، مکروہ نہیں۔ کراہتِ قیام صرف اس شخص کے بارے میں ہے جس میں یہ صفات نہ ہوں"۔ حافظ منذری نے اپنی مختصر ابی داؤد کے حواشی میں امام خطابی کے اس قول کو توثیقاً نقل کیا ہے کہ کبر و نخوت کی بنا پر لوگوں کو قیام کا حکم دینا اور ان پر اسے لازم کرنا منع ہے ورنہ اکثر محققین کے نزدیک اہلِ خیر کے لیے قیام مکروہ نہیں۔ امام بخاری اور امام نووی کا رجحان بھی اسی طرف ہے، بلکہ امام نووی نے جوازِ قیام کے حق میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ حنفی فقہاء کا بھی بالعموم مسلک یہی ہے کہ جو شخص قابلِ تعظیم ہے اس کے لیے قیامِ تعظیمی جائز ہے۔

جن احادیث میں ممانعتِ قیام وارد ہے ان میں اکثر ایسی ہیں جن میں قیام کی اُس باطنی علت اور ظاہری ہیئت پر بطور خاص و بکثرت اسے نمایاں فرمایا گیا ہے جو قیام کو قابلِ ممانعت بنا دیتی ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگوں میں ذہنی غلامی اور مرعوبیت پیدا کرنے، اپنی بڑائی کا سکہ بٹھانے اور خدائی کے ٹھاٹھ جمانے کے لیے اس رسم کا التزام کیا جاتے۔ ایک حضرت اپنی مسند پر براجمان ہوں اور دوسرے ان کے حضور میں دست بستہ، صامت و ساکت، سر و قد کھڑے ہوں، یہ چیز بلاشبہ مراسمِ عبودیت میں داخل اور قُومُوا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ کے حدود سے متصادم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ احادیث میں جس شخص کے لیے قیام کی ممانعت و وعید وارد ہے اس کے لیے یہ الفاظ بھی آتے ہیں: من احب ان یستجم لہ الرجال صفوفاً (جو شخص اسے پسند کرے کہ لوگ جوق در جوق صف بستہ ہو کر اس کے لیے کھڑے رہیں)۔ بعض روایات میں یستجم کے بجائے یستخم (ج کی جگہ خ) اور صفوفاً (ف) کے بجائے صفوناً (ن) ہے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ لوگ کھڑے کھڑے اکتا جائیں اور ان کی ٹانگیں تھک جائیں، حتیٰ کہ وہ جانوروں کی طرح اپنی ایک ٹانگ اٹھا کر سستانے کی کوشش کریں۔ بعض روایات میں "من سرہ ان یتمثّل لہ الرجال قیاماً" کے الفاظ ہیں۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ لوگ بُت بنے اس کے سامنے بے حس و حرکت کھڑے رہیں۔

جن اصحاب نے حضرت سعدؓ ابن معاذ والی حدیث کی یہ توجیہ کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض انہیں سواری سے اتارنے کے لیے قیام کا حکم دیا تھا اور اس سلسلے میں قوموا لہ اور قوموا الیہ کے مابین امتیاز قائم کیا گیا ہے، ان کا استدلال زیادہ وزنی بنیاد پر قائم نہیں ہے۔ مان لیا کہ حضرت سعد مجروح اور علیل تھے لیکن وہ مدینہ سے بنو قریظہ تک سوار ہو کر بہر حال پہنچ گئے تھے۔ وہاں گدھے پر سے اترنا ان کے لیے شاید اتنا دشوار نہ تھا کہ وہ لازماً سہارے کے محتاج ہوتے۔ پھر جب وہ سامنے سے سوار نمودار ہوتے تو آنحضورؐ نے ان کو نام سے پکارنے کے بجائے سید کم یا خیرکم کے الفاظ و القاب استعمال فرمائے جو اس امر کا نہایت قوی قرینہ ہیں کہ آپ اس حقیقت کی جانب صحابہ کرام کو متوجہ فرمانا چاہتے تھے کہ یہ تمہارے ایک محترم اور ذی مرتبہ قائد اور سردار ہیں جو ایک بہت اہم معاملے میں ثالث اور حَکَم کے فرائض سرانجام دینے کے لیے آ رہے ہیں، اس لیے تم آگے بڑھ کر ان کا استقبال اور پذیرائی کرو اور یہود کو یہ خیال کرنے کا موقع نہ دو کہ تم اپنے اہل عزت و شرف کی قدر نہیں پہچانتے۔ اس باب کی چند روایات میں انزلوا کا ارشاد نبوی بھی نقل ہوا ہے جس کا مطلب بعض شارحین نے پھر وہی لیا ہے کہ سعد بن معاذ کو پکڑ کر سواری سے اتارو، حالانکہ اس کا بھی زیادہ صحیح مطلب تشریف و تکریم اور خوش آمدید ہی ہے اور دوسری حدیث انزلوا الناس منازلھم (لوگوں کی شایانِ شان پذیرائی اور تواضع کرو) اسی مفہوم پر شاہد ہے۔

فعل قیام کے بعد ل اور الیٰ کے صلوں میں جو فرق بیان کیا گیا ہے لغت کے اعتبار سے بھی وہ کوئی قطعی اور حتمی چیز نہیں ہے۔ قام الی کے معنی لازماً یہ نہیں ہیں کہ کسی محتاج اعانت کو تھامنے یا اسے مدد پہنچانے کے لیے آگے بڑھا جائے۔ جس طرح مجرّد اظہارِ محبت و تعظیم یا خوش آمدید کے لیے کھڑا ہونے یا پیش قدمی کرنے کے لیے قام لہٗ کا محاورہ مستعمل ہے، اسی طرح قام الیہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں احادیث ہی میں مل سکتی ہیں۔ سنن ترمذی میں مروی ہے کہ حضرت زیدؓ بن حارثہ مدینے پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درِ مبارک جا کر کھٹکھٹایا تو اس کے بعد متن کے الفاظ ہیں: فقام الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یجر ثوبہ فاعتنقہ وقبلہ (پس آنحضورؐ اپنی چادر سمیٹتے ہوتے اٹھ کر ان کی طرف بڑھے، انہیں گلے لگایا اور چوما)۔ ظاہر ہے کہ یہاں سہارا دینے یا تھام کر مدد دینے کا کوئی موقع نہ تھا، جیسا کہ حضرت سعدؓ کے واقعے میں گمان کیا گیا ہے۔ یہ محض پُرتپاک گرمجوشی اور استقبال کا اظہار تھا جس کے لیے قام الیہ کے الفاظ آتے ہیں۔ حضرت ابو اُمامہ سے ایک

حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ میں مروی ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس کے الفاظ ہیں خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ... فقمنا الیہ۔ یہاں پھر وہی الفاظ مستعمل ہیں۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہؓ کے باہمی ایک دوسرے کو دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہونے کی حدیث جو اوپر بیان ہوئی ہے، اس میں بھی حضرت عائشہؓ سے جو الفاظ ابوداؤد میں مروی ہیں وہ ہیں: کانت اذا دخلت علیہ قام الیہا.... واذا دخل علیہا قامت الیہ۔ یہاں بھی دونوں جگہ قام کے ساتھ الیٰ آیا ہے، حالانکہ یہ قیام بھی بلاشک و شبہ خالص محبت و احترام کی بنا پر ہوتا تھا۔

اتنی بحث کے بعد اب صرف ایک ضروری سوال حل طلب باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر قیام محض اس حالت میں ممنوع ہے جب ایک طرف تعبّد و تذلّل اور دوسری طرف استبداد و استکبار کا جذبہ کارفرما ہو تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے قیام کو پسند کیوں نہیں فرمایا؟ حالانکہ آپؐ اور صحابہ کرام کے معاملے میں کسی طرح ایسے جذبات کی موجودگی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس سوال کے مختلف جواب ممکن ہیں، لیکن میں طوالت سے بچنے کے لیے صرف اس جواب پر اکتفا کرتا ہوں کہ صحابہ کرام کے کھڑا ہونے پر آنحضورؐ کی ناپسندیدگی کی نوعیت شرعی و تحریمی کراہت کی نہیں تھی، بلکہ یہ ایک طبعی ناگواری اور عادی کراہت کا اظہار تھا لیکن صحابہ کرام چونکہ آپؐ کی خوشنودیِ طبع کے منافی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ فعل کے بھی روادار نہیں تھے، اس لیے بالعموم آپؐ کے لیے قیام سے اجتناب کرتے تھے۔ شمائل نبوی میں ترک و اختیار کے بعض دیگر پہلو بھی ایسے ہیں جنہیں آپؐ کے خصائص میں شمار کیا گیا ہے اور امر و نہی کے دائرے میں شامل نہیں سمجھا گیا۔ مثال کے طور پر آنحضورؐ چلتے ہوئے دوسروں سے آگے آگے رہنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس سے کوئی حکم شرعی مستنبط نہیں ہوتا، اگرچہ اس میں تواضع اور عدم تکلف کی شان پائی جاتی ہے۔ یہی صورت قیام کی بھی ہے۔ آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ میرے لیے قیام حرام یا موجبِ وعید ہے۔ البتہ وہ شکل یا وہ علت جو اسے حرام بنا دیتی ہے اُسے واضح فرما دیا۔ اس کے ساتھ بعض حالات میں قیام کو اپنے لیے گوارا اور دوسروں کے حق میں پسند بھی کیا ہے، بلکہ حوصلہ افزائی بھی فرمائی ہے تاکہ یہ حرماتِ قطعیہ کی قبیل میں داخل نہ ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے اہل فضل کے احترام، سن رسیدہ ذی شیبہ کے اکرام، توقیر کبیر، رأفت و رحمت علی الصغیر وغیرہ کے جو اصولی اور عمومی احکام دیئے ہیں ان کے پیش نظر یہ امر ناقابل یقین اور محال ہے کہ ادب یا دلی محبت و تعظیم کا جو مظاہرہ بے اختیار قیام کی صورت اختیار کر لیتا ہے وہ اسلام میں ممنوع ہو۔